© rasailojaraid.com

اسلام کا نظامِ عدل

جناب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن

۱ ۔ اسلام ہی دنیا کا وہ واحد مکمل و کمل دین ہے جو اپنے ماننے والوں کے لیے زندگی کے ہر ہر گوشے اور شعبے میں ہدایات کا ایک جامع ذخیرہ لیے ہوئے ہے، خواہ وہ شعبہ مسلمان کی انفرادی زندگی سے متعلق ہو یا معاشرے کی اجتماعی زندگی سے، خواہ وہ گوشہ تجارت و صنعت کا ہو یا تعلیم و اخلاق کا، قانون سیاست کا ہو یا جنگ و حرب کا، داخلی امن و امان کا ہو یا خارجہ پالیسی کا۔ اگرچہ زندگی کے ان گوناگوں پہلوؤں اور گوشوں کی تفصیلات اور جزئیات جدا جدا ہیں، مگر ان سب میں دو بنیادی قدریں مشترک ہیں ایک ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت اور دوسری عدل و انصاف اور مساوات۔ یہ دونوں قدریں آپس میں مربوط ہیں، وہ اس طرح کہ ایمان باللہ انسان کو خدا کے بتائے ہوئے طریقہ عدل کو اختیار کرنے کے لیے داخلی طور پر مجبور کرتا ہے اور عدل و مساوات کے قیام کا ذریعہ بنتا ہے، خواہ خارجی دباؤ کتنا ہی زور آور کیوں نہ ہو۔ اس طرح اندر کا انسان جو اپنے اندر ملکوتی صفات رکھتا ہے، باہر کے انسان کی شیطانی خواہش کے آگے سپر انداز نہیں ہوتا۔ اسی لیے اسلام اپنے ماننے والوں کے لیے صاف صاف تلقین کرتا ہے۔

ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا، اعدلوا ھو اقرب للتقوی"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ یعنی کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ جادۂ انصاف سے تم ہٹ جاؤ، انصاف کرو کہ انصاف ہی تقویٰ کی نزدیک ترین راہ ہے۔ یہاں تقوے سے چند ظاہری مخصوص شکلوں اور طریقوں کی پابندی اور پیروی کا نام نہیں بلکہ تقوے سے مراد نفس کی وہ کیفیت ہے جو خدا ترسی، احساس ذمہ داری اور اللہ کے سامنے جواب دہی کے زندہ ادراک اور احساس سے پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ بدقسمتی سے برصغیر میں انگریزوں کے دور حکومت میں اسلامی نظام درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے اسلامی فکر اور اسلامی شریعت کے احکام اپنی اصلی ہیئت اور حقیقی شکل میں موجود نہ رہے اور جو کچھ اسلامی قانون نظر آتا ہے وہ اپنے عمل میں اسلامی رُوح، فکر اور جذبے سے خالی ہے۔ ہمارا موجودہ اجتماعی ڈھانچہ Social structure اور عدالتی نظام و طریقہ کار انگریزوں کا ورثہ ہے۔ انصاف میں تاخیر، آئے دن کی پیشیاں، بے اندازہ خرچ، وکلاء کی فیسیں، رشوت اور سفارش کا عمل دخل ایک عام آدمی میں یہ حوصلہ ہی نہیں پیدا ہونے دیتا کہ وہ مروجہ طریقہ ہائے عدل و انصاف کے ذریعے اپنی سماجی ناہمواریوں اور ظلم و زیادتی کے مداوے کا طالب ہو۔ اس طرح معاشرے میں دیکھتی آنکھوں انصاف کا خون ہوتا رہتا ہے۔ اسلام ظلم و استحصال سے پاک معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے لیے ایک ایسا جامع و مربوط نظام عدل رکھتا ہے۔ جس پر عمل کرنے سے ہمارے معاشرے میں امن و امان اور خیر و برکت کا ایک نیا سورج طلوع ہو سکتا ہے۔

۴۔ اسلام میں عدل و انصاف کا اصل سرچشمہ خداوند تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور اس سرچشمہ سے پیدا ہونے والے قوانین کا نفاذ مسلمانوں کی جماعت کے سپرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ چنانچہ اسلام میں قضا یا داد رسی یا عدل گستری کو اہم ترین انسانی فرائض میں شامل کرتے ہوئے اسے مملکت اسلامیہ کا اولین فرض قرار دیا گیا ہے۔

قاضی (جج) کا منصب

۵۔ اس منصب کی عظمت کے لیے صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ یہ فریضہ خود رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا اور اس کے بعد خلفائے راشدین اور ان کے نائبین یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

خداوند کریم نے انبیائے کرام کے ذمے تبلیغ دین حق کے ساتھ قضا کا فریضہ بھی عائد کیا۔ اللہ تعالےٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ:

یا داؤد انا جعلنٰك خلیفة فی الارض فاحكم بین النّاس بالحق۔ [1]

ترجمہ: یعنی اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا پس آپ لوگوں کے درمیان حق (عدل وانصاف) کے ساتھ فیصلہ فرمائیں۔

اور دوسری آیت میں سرکار دو عالم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

انا انزلنا علیك الكتاب بالحق لتحكم بین الناس بما اراك اللہ۔ [2]

ترجمہ: یعنی تحقیق ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ساتھ حق کے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمادیں۔

قرآن پاک میں متعدد جگہ عدل وانصاف کا ذکر آیا ہے جس سے منصب قضا

---

[1] سورۂ ص آیت ۲۶۔

[2] سورۃ نساء آیت ۱۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذا حکمتم بین النّاس ان تحکموا بالعدل[1]

ترجمہ: یعنی اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو

اور اسی طرح سورۃ مائدہ میں فرماتا ہے:

فاحکم بینھم بما انزل اللّٰہ ولا تتبع اھوآئھم[2]

ترجمہ: یعنی پس حکم کر دان کے درمیان ساتھ اس چیز کے جو اللہ نے نازل کی ہے (یعنی کتاب) اور نہ کرو پیروی ان کی خواہشوں کی۔

انصاف کے لازم ہونے کے سلسلہ میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للّٰہ شھدآء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ[3]

ترجمہ: یعنی اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے اللہ کے واسطے قائم رہنے والے ہو جاؤ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم جادۂ انصاف سے ہٹ جاؤ، تم انصاف کرو کہ وہ تقوے کے زیادہ قریب ہے۔

دوسری آیت ہے کہ:

ومن لم یحکم بما انزل فاولٰئک ھم الکافرون[4]

---

[1] سورۃ نساء، آیت ۵۸۔

[2] سورۃ مائدہ، آیت ۵۱۔

[3] سورۃ مائدہ آیت ۸، ۹۔

[4] سورۃ مائدہ، آیت ۴۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ : یعنی جن لوگوں نے فیصلہ نہیں کیا، ساتھ اس کے جو اللہ نے نازل فرمایا، پس وہی لوگ کافر ہیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما [1]

ترجمہ : یعنی قسم ہے آپ کے رب کی، وہ ہرگز ایمان لانے والے نہ ہوں گے یہاں تک کہ بنا لیں آپ کو حکم، اس معاملے میں جس میں وہ جھگڑتے تھے اپنے درمیان، اور پھر (جب آپ فیصلہ دیدیں تو) نہ محسوس کریں تنگی اپنے دلوں میں، اس فیصلہ سے جو آپ دیدیں۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :

یا ایها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو على انفسكم او الوالدين والاقربين، ان يكن غنيا او فقيرا فالله اولى بهما فلا تتبعوا الهوى ان تعدلوا، وان تلووا او تعرضوا فان الله كان بما تعملون خبيرا [2]

ترجمہ : یعنی اے ایمان والو! ہو جاؤ تم اللہ کے لیے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ قائم رہنے والے، خواہ وہ خلاف ہو اپنی ذات کے یا والدین یا اقربا کے، خواہ ہو وہ شخص دولت مند یا فقیر، پس اللہ ان کے ساتھ زیادہ مہربان ہے۔ پھر مت

---

[1] سورۃ نساء ۴، آیت ۶۵۔

[2] سورۃ النساء ۴، آیت ۱۳۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرو خواہش کی پیروی عدل نہ کرکے اور اگر تم نے پشت پھیری یا اعراض (گریز) کیا تو تحقیق اللہ تعالیٰ اس چیز سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضا کے بارے میں فرمایا ہے:

لسان القاضی بین الجمرتین من النار حتی یقضی بین الناس فاما فی الجنة واما فی النار[1]

ترجمہ: یعنی قاضی کی زبان دو انگاروں کے درمیان ہے یا تو جنت میں یا دوزخ میں یعنی بسبب قدرت فیصلہ وہ ہر وقت جنت و دوزخ کے درمیان معلق رہتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث ہے:

کیف یقدس اللہ امة لا یؤخذ لضعیفھم من شدید ھم[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی ایسی امت کو کیسے پاک رکھ سکتا ہے جس میں ان کے ضعیف کا حق ان کے قوی سے نہ لیا جائے۔

حضرت بریدہ رض سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ ~~صلی اللہ علیہ وسلم القضاة ثلثة~~ واحد فی الجنة و اثنان فی النار فاما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق فقضی بہ ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فھو فی النار، ورجل قضی فی الناس علی جھل فھو فی النار[3]

---

[1] القضا فی الاسلام، محولہ بالا، ص ۲۷۴ (فقہ شیعی)

---

[2] ابن ماجہ مطبوعہ اصح المطابع، ص ۲۸۹۔

[3] مشکوٰۃ، محولہ بالا، ص ۳۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: یعنی قاضی تین ہیں، ایک جنت میں اور دو دوزخ میں پس جس شخص نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا، وہ جنتی ہے اور جس شخص نے حق کو جاننے کے باوجود فیصلہ میں ظلم کیا وہ دوزخی ہے اور جس شخص نے جہالت پر لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا، وہ بھی دوزخی ہے۔

ایک صحیح حدیث میں منقول ہے کہ:

سبعة يظلهم الله تحت ظل عرشه الحديث فبدا بالامام العادل: وقال صلعم: المقسطون على منابر من نور يوم القيامة على يمين الرحمٰن وكلتا يديه يمين۔

ترجمہ: یعنی سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ یہ بیان کرتے ہوئے حضورؐ نے ان سات میں سے امام عادل کو مقدم کرتے ہوئے فرمایا: انصاف و عدل کرنے والے حاکم قیامت کے دن نور کے ممبروں پر ہوں گے۔ یہ ممبر رحمٰن کی داہنی جانب قائم ہوں گے اور رحمٰن کی دونوں جانبین داہنی ہی ہیں۔[1]

قضا کے بارے میں حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

القضاة اربعة ثلاثة فى النار و واحد فى الجنة رجل قضى بجور وهو يعلم فهو فى النار الخ[2]

ترجمہ: یعنی قاضی چار ہیں۔ تین دوزخ میں ہیں اور ایک جنت میں۔ وہ شخص جس نے دیدہ و دانستہ (جانتے بوجھتے) ظلم کے ساتھ فیصلہ دیا، وہ جہنم میں جائے گا اور وہ شخص جس نے ظلم کے ساتھ فیصلہ دیا اور وہ نہیں جانتا تھا،

---

[1] معین الحکام، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۰ ہجری، ص ۸۔

[2] قضا فی الاسلام، محولہ بالا، ص ۲۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ اور وہ شخص جس نے حق کے ساتھ فیصلہ دیا، اور وہ نہ جانتا تھا کہ وہ حق ہے، وہ شخص بھی جہنم میں جائے گا۔ اور وہ شخص جس نے حق پر فیصلہ دیا۔ اور جانتا تھا کہ وہ حق ہے وہ جنتی ہے۔

بظاہر اس قول کا جملہ ۲ و ۳ اہل سنت کی حضرت بریدہ ؓ والی مذکورہ بالا حدیث کے اس جملہ کی تفصیل ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جس قاضی نے اپنے جاہل ہونے کے باوجود فیصلہ دیا وہ جہنمی ہے۔

شمس الائمہ شمس الدین السرخسی (متوفی ۴۸۲ ھ) نے اپنی مشہور کتاب "المبسوط" کی جلد ۱۶ صفحہ ۵۹ پر لکھا ہے کہ:

ان القضاء بالحق من اقوی الفرائض بعد الایمان باللہ تعالٰی وھو من اشرف العبادات۔

ترجمہ: یعنی حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اللہ تعالٰی پر ایمان لانے کے بعد سب سے زیادہ قوی فرض ہے اور یہ تمام نفلی عبادتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ مکرم اور مشرف عبادت ہے۔

آگے چل کر اسی کتاب کے صفحہ ۷۰ پر اسلامی تصور عدل گستری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ عدل و انصاف کا انحصار مذہبی اصولوں کے اطلاق پر ہے۔ اس میں کسی مادی تصور کا دخل نہ ہونا چاہیے۔

اس طرح امام علاء الدین الکاسانی (متوفی ۵۹۵ ھ) نے اپنی مشہور کتاب "البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع" میں انصاف رسانی کو مذہب کا ایک اہم اصول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ "عدالتی فرائض کی انجام دہی محض مذہبی نوعیت کا ایک فرض منصبی ہی نہیں، بلکہ ایک عبادت اور مذہبی فریضہ کی تکمیل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ علاؤالدین ابوالحسن علی بن خلیل طرابلسی نے اپنی کتاب معین الحکام میں لکھا ہے کہ قضا کے اس بزرگ مرتبہ کی عظمت اوراس کی معرفت انسان پر واجب ہے رسولوں کی بعثت کا یہی مقصد رہا ہے۔ اس فریضہ کی انجام دہی سے نظام عالم قائم رہا ہے اس عہدے کو نبی علیہ السلام نے ان نعمتوں میں سے ایک نعمت شمار فرمایا ہے جن پر حسد کرنا جائز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے آنحضرت صلعم سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا، حسد جائز نہیں، مگر دو امر میں ایک اس شخص کے حق میں جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس مال کو اس کے حق ہی میں صرف کرنے دیکھے وہ شخص جس کو اللہ تعالےٰ نے علم عطا کیا ہو، اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کے موافق عمل کرے۔ ؎

اسلام کا تصور عدل

اسلام میں عدل گستری کے تصور میں بنیادی طور پر خوفِ خدا اور خشیت الٰہی شامل ہے اور یہی وہ تصور ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے قاضی یا جج کے اعمال و افعال کا جزو لاینفک بن جاتا ہے اور اس کو اپنے عدالتی فرائض کی بجا آوری میں رشد و ہدایت اور مشعلِ راہ کا کام دیتا ہے اسلام نے عدالتی کارروائیوں کے مشتہر اور عام کرنے پر زور دیا ہے۔ چنانچہ اسلامی نظام عدل میں کھلی عدالتوں اور عدالت میں زبانی بیانات پر ابتداء ہی سے عمل کیا جاتا رہا ہے۔

اسلامی تصور انصاف سختی کے ساتھ مساوات کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن پاک

؎ الواجب، تعظیم ھذا النسب الشریف ومعرفۃ مکانۃ من الدین فیہ بعثۃ الرسل وبالقیام بہ قامت السموات والارض۔ جملۃ النبی صلعم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۃ نساء کی ۱۳۵ ویں آیت میں فرماتا ہے:

ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولیٰ بہما فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا۔

اسلامی تصورِ عدل و انصاف میں بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز نہیں۔ بڑے سے بڑا جلیل القدر سلطان اور ایک معمولی شخص عدالت میں ایک ہی جگہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ کسی کی سعی و سفارش کی ممانعت ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاریخی قول صحیح بخاری میں آج بھی اپنی جگہ سنہری حرفوں میں لکھا ہوا ہے کہ "محمدؐ کی بیٹی بھی اگر چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

اسلام میں انصاف ہر شہری کا بنیادی حق ہے اس لیے یہ بات اسلامی تصور عدل کے منافی ہے کہ حکومت ان سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ لے، چنانچہ اسلامی طریقہ عدل و انصاف میں کورٹ فیس وغیرہ کا کوئی وجود نہیں۔ اور نہ مدعی پر اس قسم کی کوئی زیر باری ڈالی گئی ہے

اسلام انصاف میں تعجیل یعنی عجلت اور جلدی کا قائل ہے۔ اس لیے ایک ایسا طریقہ کار رکھتا ہے جس سے انصاف میں تاخیر نہ ہونے پائے، کیونکہ انصاف میں تاخیر خود انصاف ہی کی نفی ہے۔ انصاف رسانی کے طریقے یعنی نظام کے قیام اور اس کے

(بقیہ حاشیہ) من النعو التی یباح الحسد علیہا فقد جاء من حدیث ابن مسعود عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لاحسد الا فی اثنین رجل اتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل اتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بہا ویعمل بہا۔ (معین الحکام، محولا بالا، ص ۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصول کے لیے ضروری ہے کہ حکومت وقت قابل اور متدین اشخاص کو آبادی کے لحاظ سے کافی تعداد میں جج مقرر کرے۔ تاکہ مقدمات کے فیصلوں میں تاخیر اور حرج واقع نہ ہونے پائے۔

علامہ تقی الدین نبہانی نے اپنی مشہور کتاب "نظام الحکم فی الاسلام" میں لکھا ہے کہ اسلامی نظریہ انصاف کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ فیصلہ سختی کے ساتھ قانون کے مطابق ہونا چاہیے۔ اور قاضی یا جج کو سیاست اور حکومت کے میلانات و رجحانات سے کسی طرح متاثر نہ ہونا چاہیے۔

ظاہر ہے کہ جب اسلام انصاف رسانی کو ایمان کے بعد سب سے قوی فریضہ قرار دیتا ہے تو اس فریضہ کی بجا آوری کے لیے اپنے دامن میں ایک سہل مفید اور عادلانہ عدالتی نظام بھی رکھتا ہے۔ گو یہ نظام منزل من اللہ نہیں ہے لیکن کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی روح سے ہم آہنگ ہونے کے سبب موصل الی اللہ ضرور ہے۔ ایک پاک نفس انسان یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اسلام کے اجتماعی تقاضوں میں از اول تا انتہا خدا پرستی، خدا ترسی، بقاء انسانیت اور عدل و اعتدال کارفرما نظر آتا ہے جو قرآن و سنت کی محکم بنیادوں پر قائم ہے۔

اسلامی نظام عدل

اس نظام کی خشت اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں رکھی گئی۔ مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد اول اول آپ خود ہی مقدمات کا فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ سرزمین حجاز سے نکل کر دوسرے مقامات تک پھیلنے لگا تو آپؐ نے ان مقامات پر اپنے نائب بھیجے۔ چنانچہ آپؐ نے مختلف مواقع پر مکہ مکرمہ، طائف و یمن وغیرہ اپنے متعدد اصحاب کو امیر، حاکم، قاضی مقرر فرما کر روانہ فرمایا، جن میں منجملہ حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی، حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری وغیرہ ہم صحابہ شامل تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ تبلیغ دین کے سلسلہ میں ایک صحابی کو، اور معاملاتی امور بشمول تصفیہ مقدمات کے لیے دوسرے صحابی کو، ایک ہی شہر اور ایک ہی مقام کے لیے مقرر فرمایا، اور کبھی ایک ہی صحابی نے دونوں فرائض انجام دیئے۔ در اصل اس کا مدار شہر کی وسعت پر موقوف تھا۔ یہی طریقہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں قائم رہا حتی کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور شروع ہوا اور اسلامی سلطنت کی حدود مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پھیلتی چلی گئیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ انتظامی عہدے دار یعنی گورنر کے ساتھ مثلاً عدالتی فرائض انجام دینے کی غرض سے قاضی مقرر کئے جائیں آپ نے مختلف مقامات پر مختلف صحابہ کو قاضی مقرر فرمایا۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں زیدؓ بن ثابتؓ، بصرے میں حضرت کعبؓ بن سور ازدی، فلسطین میں حضرت عبادہؓ ابن صامت، کوفے میں حضرت عبدؓاللہ بن مسعود جیسے کبار صحابہ کو قاضی مقرر فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں قاضی اگرچہ صوبے کے گورنر کے ماتحت ہوتا تھا، لیکن عموماً حضرت عمرؓ خود ہی قاضی کا تقرر فرماتے تھے۔

حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا خط — قضا کا دستور العمل

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کا جو انہوں نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا، بروایت اسامہ الہذلی، ابو الملیح و ابوبکر الہذلی ذکر کیا ہے۔ مذکورہ بالا خط کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"اچھی طرح سمجھ لو کہ قضا ایک اہم فریضہ ہے اور ایسی سنت ہے جس کی اتبا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضروری ہے۔ جب کوئی شخص اپنا مقدمہ تمہارے پاس لائے تو کامل غور و فکر کے ساتھ اس کی باتیں سنو اور جب تم فریقین کی باتیں سننے کے بعد کسی فیصلے پر پہنچ جاؤ تو اس کا نفاذ بھی کرو، کیونکہ درست فیصلہ کرنے کا اس وقت تک فائدہ نہیں جب تک اس فیصلہ کا نفاذ نہ کیا جائے۔ تمام لوگوں کو اپنے حضور میں اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور اور غریب آدمی انصاف سے مایوس نہ ہو اور زبردست اور طاقتور کو تم سے کسی رو رعایت کی امید نہ ہو۔ جو شخص دعوےٰ کرے اس کے ذمے ثبوت بہم پہنچانا ضروری ہے اور جو اپنے خلاف عائد کردہ الزام کی تردید کرے اس پر قسم کھانا واجب ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے (یعنی فریقین راضی نامہ کر سکتے ہیں) لیکن ایسی صلح جو حلال کو حلال رکھے اور حرام کو حرام۔ ایسی صلح (راضی نامہ) جائز نہیں۔ جس سے حرام حلال اور حلال حرام ہو جائے۔ اگر کوئی شخص اپنے حق کو ثابت کرنے کی خاطر فوری طور پر ثبوت مہیا نہ کر سکے تو اسے کچھ عرصے کی مہلت دو اگر اس عرصہ میں وہ ثبوت مہیا کر دے تو اس کا حق اسے دلا دو لیکن اگر مدت کے اختتام تک وہ ثبوت بہم نہ پہنچا سکے تو مقدمہ خارج کر دو۔ ایسا کرنے سے اتمام حجت بھی ہو جائے گا اور شک بھی دور ہو جائے گا۔ اگر تم نے آج کوئی فیصلہ کیا ہے لیکن مزید غور و فکر اور عقل سے کام لینے کے بعد تمہیں وہ فیصلہ غلط معلوم ہو اور حق ظاہر ہو جائے تو پہلے فیصلے سے رجوع کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہونا چاہیے کیونکہ حق اپنی جگہ پر قائم ہے اسے کوئی چیز بدل نہیں سکتی اور باطل پر اصرار کرنے سے حق کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے سب مسلمان قابل اعتبار ہیں، سوائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں کوڑے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا جن کا نسب مشکوک ہو۔ جس مسئلہ کے متعلق تمہارے دل میں شبہ پیدا ہو، اور کتاب اللہ اور سنت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبوی میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر خوب غور و فکر کرو پھر اس کی مثالوں اور نظیروں کو دیکھو۔ اس کے بعد قیاس سے کام لو اور جو قیاس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی سنّت کے زیادہ قریب ہو اس کے مطابق حکم صادر کرو تنگ دلی کا اظہار نہ کرو فریقین مقدمہ کو کسی قسم کی تکلیف مت پہنچاؤ۔ مقدمہ پیش ہونے کے وقت بد خلقی مت دکھاؤ اگر مقدمے کا صحیح فیصلہ کرو گے تو اللہ تعالےٰ اس کا بہت بڑا اجر دے گا جس شخص کی نیت ٹھیک ہو گی اور خواہ اسے اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کے خلاف ہی فیصلہ کرنا پڑے لیکن وہ حق و انصاف کے راستے پر گامزن رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا ہر طرح کفیل ہو گا۔ لیکن جو شخص جادۂ عدل و انصاف سے بھٹک جائے گا۔ اور ایسے فیصلہ کرے گا جس پر خود اس کا دل مطمئن ہونے کے لیے تیار نہ ہو گا، تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو صرف اسی صورت میں ثواب کا حقدار ٹھہرائے گا۔ جب وہ اپنے اعمال خلوص نیت کے ساتھ بجا لائیں گے۔"

حافظ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ ھ) نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ خط اسلامی نظام عدل کی بنیاد اور ایک بہترین دستور العمل ہے۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں دیوانی و فوجداری مقدمات کی سماعت کے اختیارات ایک ہی قاضی کو حاصل ہوتے تھے، مقدمات کی مذکورہ دونوں قسموں کے بموجب تقسیم اختیارات اور پھر ہر ایک قسم کے لیے علیحدہ قاضی کا تقرر وجود میں نہ آیا تھا، بلکہ ہر قسم کے مقدمات ایک ہی قاضی کے دائرہ اختیار میں تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور خلافت میں بھی یہی شکل رہی بنو امیہ کے زمانے تک قاضیوں کا تقرر خود خلیفہ وقت یا علاقے کا حاکم کرتا تھا۔ اس وقت سب قاضیوں کی حیثیت اور مرتبہ یکساں تھا۔ کسی ایک قاضی کو دوسرے پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امتیاز یا تقدم حاصل نہ تھا، لیکن بنو عباس کے دور حکومت میں امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا تو انہیں ملک کے مختلف حصوں میں قاضی مقرر کرنے اور انہیں معزول کرنے کے اختیارات بھی حاصل ہوئے۔ انہیں دوسرے ماتحت قاضیوں کے فیصلوں کی جانچ اور نگرانی کرنے کا بھی اختیار حاصل تھا۔ امام ابو یوسف کے بعد بھی قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ قائم رہا۔ ان کے بعد مامون نے یحییٰ کو قاضی القضاۃ مقرر کیا ابو الحسن علی بن نعمان (۳۶۶ھ) کو بھی قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ صرف مملکت کے صدر مقام (بغداد) میں قاضی القضاۃ کا عہدہ ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں سلطنت کا شیرازہ منتشر ہونے کے ساتھ یہ عہدہ بھی ختم ہو گیا۔

اسلامی نظام عدل میں عام قاضیوں کے علاوہ ایک عہدہ قاضی العساکر کا بھی تھا یہ قاضی مجاہدین کے ساتھ جہاد میں جاتے اور مجاہدین کے تنازعات یا نئے مفتوحہ علاقوں میں عدالتی فرائض انجام دیتے۔ مفتوحہ علاقوں میں نئی عدالتیں قائم کرنا بھی انہیں کے فرائض میں شامل تھا علاوہ ازیں ایک عہدہ محتسب کا بھی پایا جاتا ہے۔ محتسب دراصل قاضی ہی کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کے دائرہ اختیار میں ایسے امور تھے جو بلدیات کے احکام کی خلاف ورزی سے متعلق ہوں نیز عوام الناس کے آداب و اخلاق کی نگرانی، گراں فروشی کی روک تھام اور ٹریفک کا انتظام بھی محتسب سے متعلق تھی۔ اس کے علاوہ ارباب اقتدار کے ظلم و ستم اور چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک حاکم کا تقرر ہوتا تھا جس کو والی المظالم کہا جاتا تھا۔ اس کے سپرد ان احکام کا نفاذ کرانا بھی تھا جو قاضی یا محتسب کے دائرہ امکان سے باہر تھے موجودہ دور کی اصطلاح قانون میں والی المظالم کو Administrative court عدالت انتظامی کہا جا سکتا ہے۔

بعض اوقات مخصوص مقدمات کی سماعت کے لیے خاص عدالتیں تشکیل دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتی تھیں۔ چنانچہ الماوردی کا بیان ہے کہ بالعموم فوجیوں کے باہمی تنازعات کے تصفیہ کے لیے خصوصی جج مقرر کئے جاتے تھے مگر خاص عدالتوں کے اختیارات ہمیشہ محدود ہوتے تھے۔ دیوانی و فوجداری مقدمات کے لیے علیحدہ عدالتیں نہ تھیں۔ بلکہ ہر قاضی اپنے علاقے میں بلا تخصیص مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔

اسلامی عدالتوں میں صرف ایک ہی قاضی اجلاس کرتا تھا۔ موجودہ نظام ہائے عدالت کی طرح اجلاس متنفقہ یا کاملہ کا دستور نہ تھا۔ عدالت اپیل کے اختیارات قاضی القضاۃ کو حاصل تھے۔ خلیفہ خود بھی بعض مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔

حافظ ابن قیم نے قضاۃ کے تقرر اور تقسیم فرائض و اختیارات کے متعلق ایک جامع عبارت میں اس طرح تصریح کر دی ہے کہ ولایت قضا کا عموم و خصوص یا جو اختیارات قاضی کو حاصل ہوتے ہیں ان کی بنیاد حالات و عرف پر ہے، اس کی شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں۔ بعض حالات میں محض احکام شرعیہ کے ذریعے مقدمات باہمی کے فیصلے تک محدود کیا جا سکتا ہے۔ اور بعض حالات و مقامات اور زمانے کے اعتبار سے قاضی کو جنگی انتظامات تک سپرد کئے جاسکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر شہر و مملکت کے حالات کے پیش نظر اور عرف و عادت کا لحاظ کرتے ہوئے قضا کے اختیارات تفویض کئے جاسکتے ہیں اس مسئلے میں تحقیقی قول یہی ہے۔[1]

قاضی (جج) کی اہلیت

قاضی کے تقرر میں اہلیت قضا کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یعنی یہ کہ وہ کتاب و سنت کا عالم ہو، رائے میں اجتہادی صفت کا حامل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا قاضی مقرر کرتے وقت قضا کے متعلق جو سوالات کئے تھے ان میں حضرت معاذ رض

---

[1] معین الاحکام، محولہ بالا، ص ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اپنے جواب میں یہ بھی فرمایا تھا " اجتہد برائی " کہ کتاب وسنت میں سے کسی حکم کے منصوص نہ ہونے پر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس پر آنحضرتؐ نے اللہ تعالےٰ کا شکر ادا فرمایا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃً فی الارض فاحکم بین الناس بالحق [1]

ترجمہ، یعنی اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں حاکم مقرر کیا ہے پس تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو۔

قاضی حق پر فیصلہ اُسی وقت کر سکے گا جب کہ کتاب وسنّت کا عالم اور اجتہاد بالرائے سے متصف ہوگا۔ کیونکہ واقعات غیر محدود ہیں اور نصوص شرعیہ محدود ومعدود ہیں۔ قاضی کو ہر واقعہ اور ہر حادثہ میں شرعی نص کا ملنا ممکن نہ ہوگا۔ لامحالہ واقعات جدیدہ میں منصوص علیہ مسائل سے استنباط کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور یہ اسی وقت ہو سکے گا جبکہ وہ اجتہادی قوت رکھتا ہو۔ [2]

قاضی کی اہلیت کے لیے علماء کی متفقہ رائے ہے کہ وہ عالم ہو۔ اگر علم ناقص ہے تو قضا کی اہلیت نہیں رکھتا، البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ اس کا مجتہد ہونا بھی ضروری ہے۔ امام شافعی قاضی کے لیے مجتہد ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ قاضی کے مجتہد ہونے کو مستحسن قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ شرط لازم نہیں ہے فقہ کی مشہور کتاب درالمختار میں لکھا ہے کہ " مناسب تو یہ ہے کہ قاضی صاحب اجتہاد ہو لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم یہ ضرور ہونا چاہیے کہ وہ امانت اور دیانت کے اعتبار سے امین و متدین ہو، شک وشبہ سے بالاتر ہو عقل و فراست سے حصہ وافر ملا ہو،

---

[1] سورہ ص: ۲۶

[2] معین الحکام، محولہ بالا، ص ۱۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیز فقہ و سنت کے احکام سے باخبر ہو (تاکہ کم از کم درجہ میں کچھ نہ کچھ قیاس سے کام لے سکے) راقم الحروف کے خیال میں یہ رائے زیادہ مناسب ہے کیونکہ اگر فقہی اجتہاد کو شرط لازم قرار دے دیا جائے تو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ البتہ اگر اجتہاد کے معنی یہ قرار دیئے جائیں کہ پیش آمدہ معاملے کو نظائر شرعیہ پر قیاس کرنے اور زائد سے زائد مشابہت پانے پر کسی نہ کسی حد تک قدرت رکھتا ہو تو یہ ایک حد تک ممکن ہو سکے گا۔ ورنہ قحط الرجال کے موجودہ زمانے میں کتنے لوگ ہوں گے جو اس اجتہاد فقہی کی شرط کو پورا کر سکیں گے۔

کیا عورت قاضی (جج) بن سکتی ہے؟

اس باب میں ایک اور اختلافی مسئلہ عورت کے قاضی مقرر کئے جانے کا ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور شیعہ جعفریہ کے نزدیک عورت کو قاضی نہیں بنایا جا سکتا۔ لیکن امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ جن معاملات میں عورت کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے اُن معاملات میں اسے قاضی بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک حدود اور قصاص کے ماسوا دیگر معاملات کے تصفیہ کے لیے وہ قاضی مقرر کی جا سکتی ہے۔

جو لوگ عورت کو قضا کے لیے نا اہل قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ قضا امامت کبریٰ کا ایک شعبہ ہے، چونکہ کوئی عورت امام نہیں بن سکتی۔ اس لیے وہ قاضی بھی نہیں بن سکتی۔ راقم الحروف کے خیال میں امام ابو حنیفہ کی رائے زیادہ قرین صواب ہے عورت کو قاضی بنایا جا سکتا ہے اور وہ ان تمام معاملات میں فیصلہ دینے کی مجاز ہے جن معاملات میں اس کی شہادت مقبول ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کونسل کا فیصلہ ہشیران عدالت آغاز اسلام ہی سے عموماً اور خلفائے راشدین کے عہد میں خصوصاً مقدمات کے فیصلوں میں صاحبان علم و بصیرت سے مشورے لیے جاتے تھے۔ چنانچہ اسلام کے اچھے اور برے ہر دور میں یہ طریقہ رائج رہا ہے کہ قاضیوں کی امداد کے لیے مفتیان شرع پر مشتمل مجلس مشاورت قائم تھی۔

اسلام میں عدلیہ کا مقام اسلام میں قانون کی بالادستی اور بے خوف و خطر انصاف رسانی کے پیش نظر عدلیہ کو ایسا بلند مقام عطا کیا گیا ہے کہ آج کی متمدن دنیا میں بھی کوئی اور مذہب یا نظام صحیح معنی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسلام کے نظام معدلت میں عدلیہ انتظامیہ سے علیحدہ، مختار اور کاملاً آزاد ہے تاکہ عدلیہ کے انتظامیہ کے ماتحت ہونے سے انصاف متاثر نہ ہو چنانچہ جسٹس امیر علی نے اپنی مشہور تصنیف ہسٹری آف سارا سینز مطبوعہ لندن، صفحہ ۶۲ پر وان ہیمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اسلامی نظام اپنی ابتداء ہی میں زبانی و عملی (قولاً و فعلاً) ہر دو اعتبار سے عدلیہ اور انتظامیہ کے مابین تفریق کا اعلان کرتا ہے۔

قانون شہادت اسلامی نظام عدل میں قانون شہادت کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اسلامی قانون شہادت کی ایک اہم خصوصیت، جو دنیا کے کسی دوسرے نظام معدلت میں نظر نہیں آتی، یہ ہے کہ گواہوں کا نصاب مقرر ہے یعنی یہ پہلے ہی سے متعین ہے کہ کسی جرم یا دعوے کے ثابت کرنے کے لیے کم از کم کتنے گواہوں کا ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح گواہوں کی جنسیت اور اہلیت وغیرہ سے متعلق بھی تفصیلی احکام موجود ہیں۔ لیکن میرے نزدیک اسلامی قانون شہادت کے سلسلہ کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ گواہ کے چال چلن کی تحقیقات کی جاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی کہ آیا وہ قابل اعتبار ہے یا نہیں؟ اس اصول کو شرعی اصطلاح میں "تزکیۃ الشہود" کہا جاتا ہے۔ اس کا وجود عہد نبوی میں ملتا ہے۔ خلافت راشدہ میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور تحقیقات خفیہ بھی کی جانے لگیں چنانچہ محکمۂ قضا میں گواہوں کے علیحدہ رجسٹر ترتیب دیئے جاتے تھے۔

وکلاء کا کردار اسلام کے نظام عدل میں وکلاء کا موجودہ طریقہ رائج نہ تھا۔ البتہ وکیل کا بحیثیت کارندہ یا مختار کام کرنے کا وجود ملتا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں کتاب الوکالت کے نام سے مستقل باب پایا جاتا ہے۔ مگر وکیل کی مستقلاً پیشہ ورانہ حیثیت نہ تھی۔ اصطلاحاً مقدمات کی پیروی کرنے والے وکیل کو "وکیل المخصومۃ" کہا جاتا تھا۔ اگر محنتانہ طے نہ ہوا ہو مگر اس کا ادا کیا جانا مقصود ہو تو ایسی صورت میں بلحاظ نوعیت مقدمہ یا بحیثیت شخص اجر مثل (یعنی کام کے بقدر معاوضہ) دلایا جاتا تھا۔

قاضی تاج الدین ابونصر عبدالوہاب السبکی نے اپنی کتاب معید النعم و مبید النقم میں اس پیشے کے جواز اور شرائط کے متعلق لکھا ہے،

> "ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ وکالت سے جن وکلاء کا مقصود ذات خداوندی کی خوشنودی ہے۔ وہ مستحق تعریف ہیں، گو اس کا محنتانہ ہی کیوں نہ لیں۔ لیکن جو وکلاء صرف مقدمہ لڑنا اور حقوق کو باطل کرنا چاہتے ہیں وہ قابل مذمت ہیں۔ وکلاء کا فرض یہ ہے کہ وہ مؤکل سے صورت معاملہ کو خوب سمجھ لیں، واقعہ سے واقف ہو جائیں، اور یہ معلوم کر لیں کہ حق کس طرف ہے۔ وہ دلیل ایسی پیش کریں جس کو وہ حق سمجھتے ہوں لیکن اگر وہ اس کو جھوٹ سمجھنے کے بعد بھی پیش کریں تو ان کا ٹھکانا جہنم میں ہے۔"

© rasailojaraid.com